بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

النور انٹرنیشنل

ستمبر 2015ء

شوال , ذلقعدۃ 1436ھ

عالمگیر مرکز احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا ترجمان

ختم نبوت کی داعی واحد جماعت

حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) آخری نبی ہیں اور
اُن کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا، نہ نیا نہ پُرانا۔

مدیران

ساہد عزیز

مسز سمیرا احمد

نشریات

وقت مطابق برطانوی سمر ٹائم

پر www.virtualmosque.co.uk

پروگرام اور اوقات

جمعہ-انگریزی	13:00
درس-بعد از جمعہ انگریزی	14:00
ماہانہ اجلاس-انگریزی-ہر ماہ پہلی اتوار	15:00
عیدین-انگریزی	11:00

پنجاب ریڈیو

عیدین-پنجابی	13:00	سکائی چینل نمبر 130

سکائپ

تقاریر اور مباحثہ-اُردو	ہر اتوار	10:00	آئی ڈی Lahori-Ahmadi

فہرست مضامین

1:اعلانات اور خبریں	1
2:کلامِ امام فرمودات-حضرت مسیح موعودؑ	2
3:درسِ قرآن-حضرت مولانا محمد علیؒ	4

اعلانات و خبریں

مرکز

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر عبدالکریم سعید، نائب صدر محترم میاں عمر فاروق صاحب اور محترم سعادت احمد چودھری(مہتمم مالیات) یورپ کے دورہ پر ہیں۔اس وقت وہ برلن میں برلن مسجد کے کام کا جائزہ لے رہے ہیں۔اس کے بعد وہ ہالینڈ اور انگلستان کی جماعتوں کے دورے بھی کریں گے۔ ممبران سے درخواست کے ان کا دورہ کامیاب کرنے میں اپنا پورا کردار ادا کریں۔

انگلستان

عیدالاضحیٰ

جمعرات 24 ستمبر 2015

وقت نماز 11:00 پابندیٔ وقت کا خاص خیال رکھیں۔

خطبہ و نماز: حضرت امیر

اِسلام انسانیت سے محبت سکھاتا ہے۔

آن لائن ورچوئل آفس۔ یو کے جماعت کے عہدیداران کے نئے ای میل ایڈریس مندرجہ ذیل ہیں President@aaiil.uk, Secretary@aaiil.uk, Treasurer@aaiil.uk,

اردو ویب سائٹ ۔ اِس سائٹ پر مواد اپ لوڈ کرنے کے رضاکاران کی ضرورت ہے۔ مہربانی فرما کر سیکرٹیری جماعت یا صدر جماعت سے اس سلسلے میں رابطہ کریں۔

جرمنی

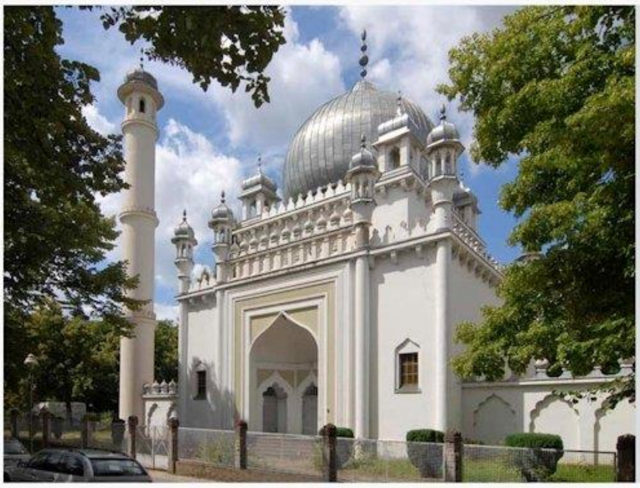

اگست کے آخر میں برلن میں حکومت ایک تقریب کا اہتمام کرتی ہے جس کا نام لانگ نائٹ آف ریلیجن ہے۔ حصہ لینے والے مذہبی ادارے اپنی عبادت گاہیں رات دیر تک کھلی رکھتے ہیں اور غیر مذاہب کے پیرکاروں کو اپنے مذاہب سے مطلق معلومات فراہم کرتے ہیں۔ ہماری مسجد ہر سال اس میں حصہ لیتی ہے۔

اس سال حضرت امیر ایدہ اللہ تعالی، محترم میاں عمر فاروق اور اُن کی اہلیہ اور محترم سعادت صاحب، (مہتمم مالیات) مرکز سے، ہینک، مدثر عزیز صاحب اور محترم ساونتو صاحب ہالینڈ سے ، محترم ناصر احمد صاحب اور اُن کے پوتے، محترم اظہر الدین صاحب اور اُن کی فیملی اور صدر جماعت انگلستان شاہد عزیز اور محترم عبدالعزیز صاحب، سابق نائب امام برلن، اِن تقریبات میں حصہ لینے کے لئے موجود تھے۔ فنکشن ہفتہ کے روز تھا۔ برلن کی سکھ برادری نے اپنے فنکشن میں خاص طور پر امام مسجد کو مدعو کیا اور دوپہر کے وقت محترم عامر عزیز صاحب ، امام مسجد اور شاہد عزیز صاحب سکھ برادری کی تقریب میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے۔

مسجد کی تقریب نماز عصر کے ساتھ ہی شروع ہوئی۔ قریباً 30 غیر مسلم احباب مسجد آئے اور اذان اور نماز کے مناظر دیکھے، بعدازاں عامر عزیز (امام مسجد) نے جرمن زبان میں مسجد کا تاریخی پس منظر پیش کیا۔ اس کے بعد سوال جواب کا سلسلہ شروع ہوا جو مغرب تک جاری رہا۔ بعد از مغرب یہی پروگرام دوبارہ پیش کیا گیا جو عشاء کے وقت تک جاری رہا۔ بعداز عشاء پروگرام رات ایک بجے تک جاری رہا۔ اور ممبران جماعت رات ڈھائی بجے سوئے۔ اس کے باوجود حضرت امیر اور دیگر احباب فجر پر موجود تھے۔

اِن تقریبات سے پہلے اور بعد مختلف اہم اجلاس اور تبادلہ خیالات کا سلسلہ جاری رہا۔ جمعہ کے روز مسجد نمازیوں سے بھری تھی۔

جزائر فیجی

رسالہ ہوپ نے اطلاع دی ہے کہ محترمہ جمیلہ اکبر قضائے الٰہی سے وفات گئی ہیں۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعونَ وہ پچھلے کچھ ماہ سے صاحب فراش تھیں۔

کلامِ امام

جو لوگ فقر اور تصوف کا دعوی رکھتے ہیں اور باعث شدت عجب غفلت اور عدم تعلقات محبت دین کے انہوں نے قرآن خوانی اور عربی دانی کی طرف توجہ ہی نہیں کی وہ اپنے دعوی میں کاذب ہیں اور خطاب کے لائق نہیں کیونکہ اگر ان کو اللہ جل شانہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہوتی وہ ضرور جد وجہد سے وہ زبان حاصل کرتے جس میں خدا تعالی کا پیارا اور پر حکمت کلام نازل ہوا ہے اور اگر خدا تعالی کی ان پر رحمت سے نظر ہوتی تو ضرور ان کو اپنا پاک کلام سمجھنے کے لئے توفیق عطا کرتا اور اگر ان کو قرآن کریم سے سچا عشق ہوتا تو وہ سجادہ نشینی کی خانقاہوں کو آگ لگاتے اور بیعت کرنے والوں سے بہ ہزار دل بیزار ہو جاتے اور سب سے اول علم قرآن کریم حاصل کرتے اور وہ زبان سیکھتے جس میں قرآن کریم نازل ہوا ہے سو ان کے ناقص الدین اور منافق ہونے کے لئے یہ کافی دلیل ہے کہ انہوں نے قرآن کریم کی وہ قدر نہیں کہ جو کرنی چاہیے تھی اور اس سے وہ محبت نہیں لگائی جو لگانی چاہیے تھی پس ان کا کھوٹ ظاہر ہو گیا دیکھنا چاہیے کہ بہت سے انگریز پادری ایسے ہیں جنہوں نے مخالفت کے جوش سے پچاس پچاس برس کے ہو کر عربی زبان کو

سیکھا ہے اور قرآن کریم کے معانی پر اطلاع پائی ہے۔ پھر جس شخص کو قرآن کریم کی محبت کا دعوی ہے بلکہ اپنے تئیں پیر اور شیخ کہلواتا ہے۔ اس میں اگر محبوں کے آثار نہ پائے جائیں اور بکلی قرآن کریم کے معانی اور حقائق سے بے نصیب ہو تو یہی ایک دلیل اس بات پر کافی ہے وہ اپنے دعوی فقر میں مکار ہے۔ ہر یک عاشق صادق اپنے معشوق کی زبان کو سیکھ لینے کا شوق رکھتا ہے پھر جس شخص کو محبت الٰہی کا دعوی ہے لیکن کلام الٰہی کے جاننے سے لاپروائی ہے وہ ہرگز محب صادق نہیں ہے۔ یا یوں کہو کہ اس کی حالت دو شق سے خالی نہیں یا تو اس نے عمداً قرآن کریم کے معانی جاننے اور قرآن زبان سیکھنے سے اعراض کیا ہے تو اس شق کا حال تو ابھی میں بیان کر چکا ہوں کہ یہ سرد مہری اہل اللہ کے مناسب حال نہیں۔ اہل اللہ کو قرآن سے بہت عشق ہوتا ہے اور عاشق کو اپنے معشوق سے ہرگز صبر نہیں ہوتا۔ اور برکت عشق کامل قرآنی زبان کا جاننا ان پر آسان ہو جاتا ہے اور جو تحصیل علم کی راہیں دوسروں پر شاق ہوتی ہیں وہ ان پر آسان ہو جاتی ہیں اور چونکہ سرد مہری ایک شعبہ نفاق کا ہے۔ اس لئے یہ منافقانہ خصلت اور کسل اور سستی ان سے صادر نہیں ہو سکتی کیونکہ قرآن کریم تو ان کی جان ہوتا ہے۔ پھر کیونکر وہ اپنی جان سے الگ ہو سکتے ہیں اور درحقیقت جو شخص اہل اللہ کے پیرایہ میں ہو کر نہ قرآن کریم کے معنی سمجھتا ہے اور نہ اس کے حقائق معارف سے خبر رکھتا ہے وہ محب القرآن نہیں بلکہ مسخرہ شیطان ہے۔ اگر عنایت ازلی اس کی رفیق ہوئی تو اس دولت عظمی سے اس کو محروم نہ رکھتی۔ پس مخذول اور مردود کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی علامت نہیں کہ اس کو دنیا میں آکر اور مسلمان کہلا کر اس قدر بھی نصیب نہ ہو کہ قرآن کریم کے معانی اور علوم ضروریہ اور معارف اعجازی سے بکلی بے خبر ہو اور دوسرا شق یہ ہے کہ ایسا شخص نہایت غبی اور بلید اور بہائم اور حیوانات کے قریب قریب ہو جس کو انسانی قوی اور حافظہ اور متفکرہ سے نہایت کم حصہ ملا ہو اس لئے وہ قرآنی زبان کے جاننے پر قدرت نہ رکھتا ہو سو ایسا شخص بھی ولایت اور قرب الٰہی کے معزز درجہ سے شرف یاب نہیں ہو سکتا اور ایسے شخص کو ولی جاننے والے وحشیوں اور گدھوں سے کچھ کم نہیں ہوتے کیونکہ وہ بباعث نہایت درجہ کے حمق کے اس درجہ تک نہیں پہنچتے کہ جس شخص کو وہ نعمت عطا نہیں ہوئی جو مدار ایمان ہے پھر دوسری نعمتوں کے وہ کب بہرہ یاب ہو سکتا ہے۔ اگر دوسری کرامت اس سے ظاہری بھی ہو تو وہ استدراج ہے کہ کرامت اور ایسا اندھیر تو کسی طور سے نہیں ہو سکتا کہ ولایت کا مدعی انسانی قوی کے معمولی درجہ سے بھی گرا ہوا ہو کیونکہ عادت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ جن کو اپنے انعامات قرب سے مشرف کرتا ہے وہ لوگ انسانی کمالات میں سے بھی ایک وافر حصہ رکھتے ہیں۔ سو یہی حکمت معلوم ہوتی ہے کہ اس جگہ خدا تعالی نے عربی خط کی طرف اشارہ فرمایا کیونکہ اس کی نظر میں کل ایسے اشخاص جو تقاعد اور تغافل کی راہ سے یا بلادت اور غباوت کی وجہ سے قرآنی زبان اور معانی قرآن سے محروم ہیں اس لائق ہی نہیں ہیں کہ ان کو باعزت انسان سمجھ کر ان سے خطاب کیا جائے بلکہ انہوں نے اپنی اس دائمی غفلت اور جہالت پسندی سے مہر لگا دی ہے کہ ان کو قرآن کریم سے کچھ تعلق محبت نہیں اور وہ درحقیقت اسلام کی راہ پر قدم نہیں مارتے بلکہ اور راہوں میں بھٹک رہے ہیں اور اگر بفرض محال کسی قسم کا ان کو ذوق بھی حاصل ہے تو ان کی روح اقرار نہیں کر سکتی کہ وہ قرآن کریم کے ذریعہ سے ہے کیونکہ قرآن کریم سے تو ان کو کچھ تعلق ہی نہیں اور نہ اس کی کچھ مزاولت ہے اور نہ ان کی روح یہ اقرار کر سکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل محبت سے انہوں نے کوئی مرتبہ طے کیا ہے کیونکہ انہوں نے قرآن کریم سے ہی کامل محبت نہیں کی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کس طرح کامل محبت کر سکتے تھے کیونکہ رسول کریم کی قدر بذریعہ قرآن کریم کے کھلتی ہے جس نے قرآن کریم کو نہیں دیکھا اس نے رسول کریم کا کیا دیکھا۔ غرض وہ ان وجوہ سے لائق محبت نہیں تھے اور ان کی حالت نفاق بکلی ظاہر تھی اس لئے ان کی طرف تبلیغی خط لکھنا غیر ضروری سمجھا گیا اور تعجب کہ ایسے لوگوں کے معتقدین کبھی یہ خیال نہیں کرتے کہ اول فضیلت اور کمال کسی ولی کا یہ ہے کہ علم قرآن اس کو عطا کیا جائے کیونکہ وہی تو ہم مسلمان لوگوں کا مقتدا ور پیشوا و ہادی اور رہنما ہے۔ اگر اسی سے بے خبری ہوئی تو پھر قدم قدم پر ہلاکت اور موت موجود ہے جس پر خدا تعالی نے یہ مہربانی نہ کی جو اپنے پاک کلام کا علم اس کو عطا کرتا اور اس کے حقائق سے اطلاع دیتا اور اس کے معارف پر مطلع فرماتا۔ ایسے بدنصیب شخص پر دوسری مہربانی اور کیا ہو گی حالانکہ وہ آپ فرماتا ہے کہ میں جس کو حقیقی پاکیزگی بخشتا ہوں اس پر قرآنی علوم کے چشمے کھولتا ہوں۔ اور نیز فرماتا ہے میں جس کو چاہتا ہوں علم قرآن دیتا ہوں اور جس کو علم قرآن دیا گیا۔ اس کو وہ چیز دی گئی جس کے ساتھ کوئی چیز برابر نہیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ ہمارے اس بیان سے ہر یک سچا مسلمان اتفاق کرے گا بجز ایسے شخص کے کہ کوئی پوشیدہ بت

آستین میں رکھتا ہے اور قرآن کریم کی سچی محبت اور سچی دلدادگی سے بے نصیب اور محروم ہے۔ (التبلیغ)

تفسیر سورۃ فاتحہ

حضرت مولانا محمد علیؒ

(گزشتہ سے پیوستہ)

ا: با، بسم اللہ میں با استعانت کے لئے ہے یعنی اللہ کے نام کی مدد چاہتا ہوا پڑھتا ہوں اور یہ اقرأ کی تعمیل ہے (العلق۔۹۶) اسم: سموٌ اور سُمُوٌ سے ہے جس کے معنی بلندی ہیں پس اسم وہ ہے جس سے مسمّٰی کا ذکر بلند ہو اور وہ اس سے پہچانا جائے جوہر اور غرض یا ذات و صفات دونوں پر اس کا استعمال ہے۔ اللہ اسم ذات ہے اور الرحمن الرحیم صفاتی نام ہیں گویا پڑھنے والا اللہ کی صفات رحمانیت و رحیمیت کی مدد چاہتا ہے۔

اللہ اسم اعظم: اللہ باری تعالی کا اسم ذات ہے اور یہی اسم اعظم ہے اور کل اسمائے الٰہی کے لئے یہ اسم جامع ہے۔ یہ اَل اِلَہ سے مشتق نہیں نہ اس کا اصل اِلَہ ہے کیونکہ اِلَہ غیر اللہ معبود پر بولا جاتا ہے حالانکہ اللہ کا لفظ نہ اسلام میں اور نہ اسلام سے پہلے کبھی دوسرے معبود پر بولا گیا ہے نہ یہ اَلاِلَہ کا مخفف ہے کیونکہ یا اللہ کہا جاتا ہے یا الالہ یا: اَلرَّحْمٰنِ نہیں کہا جاتا۔ پس اَل اس میں زائد نہیں عربی کے سوا کسی دوسری زبان میں اللہ کا اسم ذات موجود نہیں۔

الرحمن الرحیم فعلان اور فعیل کے مبالغہ میں فرق: اَلرَّحْمٰنِالرَّحِیم دونوں رَحِم سے مشتق مبالغہ کے صیغے ہیں۔ ایک فَعلان کے وزن پر دوسرا فَعِیل کے۔ فَعلان کا مبالغہ امتلا اور غلبہ کے لئے ہوتا ہے یعنی صفت کی زیادتی کے لئے فعیل کا مبالغہ تکرار کے لحاظ سے ہوتا ہے یعنی صفت کے بار بار تکرار سے اور بعض نے یوں فرق کیا ہے کہ رحمن کا لفظ اس صفت پر دلالت کرتا ہے جو اللہ تعالی کی ذات میں قائم ہے اور رحیم اس صفت پر جو اس شخص کے تعلق سے پیدا ہوتی ہے جس پر رحم کیا گیا پس رحمان وہ ذات ہے جس کا رحم بہت ہی بڑا ہے یہاں تک کہ انسان کی پیدائش سے پہلے وہ انسان کے لئے سامان مہیا کرتا ہے اور یہ صفت مومن اور کافر دونوں پر حاوی ہے اور رحیم وہ ذات ہے جس کا رحم بار بار عود کرتا ہے اور یہ صفت اس شخص کے فعل پر ظہور پذیر ہوتی ہے (اور ہر فعل پر بار بار ظہور پذیر ہوتی ہے) جس پر رحم کیا گیا، رحمان دنیا، رحیم آخرت: اسی لئے حدیث میں آتا ہے دنیا کا رحمان اور آخرت کا رحیم کیونکہ رحمن نے انسان کی پیدائش سے پہلے محض اپنے رحم سے اس کے لئے سارے سامان پیدا کیے اور رحیم انسان کے صالح اعمال پر جزا دینے والا ہے جس کا تعلق آخرت سے ہے گویا ابتدا میں جو سامان انسان کے لئے مہیا کرتا ہے وہ رحمن ہے اور ان سامانوں سے فائدہ اٹھانے پر جب انسان کوشش صرف کرتا ہے تو اس کا نتیجہ دینے والا رحیم ہے۔ زمین، پانی، آگ وغیرہ کا پیدا کرنا صفتِ رحمانیت کا تقاضا ہوا زمین میں ہل چلا کر پانی دے کر انسان ایک دانہ کا سو بنا لیتا ہے یہ تقاضائے رحیمیت ہے اسی طرح شرائع کا دنیا نبوت کا عطا کرنا صفتِ رحمانیت کا تقاضا ہے ان شرائع پر عمل کر کے فلاح حاصل کرنا صفتِ رحیمیت کے ماتحت ہے اسی لئے قرآن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھانا بھی اَلرَّحْمٰن کا کام ہے۔ الرحمن علم القرآن۔ رحمان غیر اللہ پر نہیں بولا جاتا: رحمان اللہ سے مخصوص ہے غیر پر نہیں بولا جاتا اور رحیم بولا جاتا ہے۔ بالمؤمنین رؤف رحیم (التوبہ پ۹۔۱۲۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرمایا ہے۔

۲۔الحمد: اَلْحَمْدُ میں اَلْ استغراقی ہے یعنی سب محامد یا ہر جنس کی حمد مراد ہے۔ حمد وہ تعریف ہے جو فضیلت کی وجہ سے کی جاتی ہے یعنی ان خوبیوں کی وجہ سے جو دوسرے کو مسخر کر لیتی ہیں۔

حمد مدح شکر میں فرق: مدح وسیع ہے کیونکہ مدح اختیار سے بھی کی جاتی ہے اور تسخیر سے بھی اور شکر کسی خاص نعمت کے مقابل پر ہونے سے اور بھی محدود ہے۔

رَبّ۔ اصل مصدر ہے جس کے معنی ہیں ایک چیز کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف نشوونما دینا یہاں تک کہ وہ اپنے کمال کو پہنچ جائے اور اسم کے طور پر استعمال ہوا ہے پس رب وہ ذات ہے جو تدریجاً ایک چیز کو اپنے کمال تک پہنچاتی ہے یہاں سے مسئلہ ارتقا کی بھی اصلیت معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس کی رو سے بھی ہر چیز تدریجاً اپنے کمال کو پہنچتی ہے مطلق لفظ ربّ صرف ذات باری پر بولا جاتا ہے دوسرے کی طرف منسوب کر کے اوروں پر بھی بول سکتے ہیں جیسے ربّ الدار گھر کا مالک۔ حضرت یوسف کا قول منقول ہے اذکر فی عند ربک (یوسف ۴۲) اس کی جمع ارباب آتی ہے ارباب متفرقون خیر (یوسف ۱۲۔۳۹)

عالم : عَالَمِینَ عَالَمْ کی جمع ہے جو علم سے مشتق ہے کل مخلوق یا موجودات کو عالم اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ آلہ ہے جو صانع کے وجود پر دلالت کرتا ہے مخلوق کی ہر قسم کو بھی عالم کہا جاتا ہے ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اٹھارہ ہزار سے زیادہ عالم ہیں۔ کل انسان بھی ایک عالَم ہیں اور ہر ایک قوم بھی ایک عالَم ہے بلکہ ہر زمانہ کے لوگوں کو بھی ایک عالَم کہا جاتا ہے اس لئے جہاں بعض انسانوں یا قوموں کو عالمین پر فضیلت دینے کا ذکر ہے وہاں مراد اس زمانہ کے لوگ ہیں یہاں مراد جمع لانے سے موجودات کی سب اقسام کو شامل کرنا ہے۔

الحمد میں رضا بالقضا کا سبق : اسلام کی تعلیم کی ابتدا اَلْحَمْدُ للہ سے ہوتی ہے جس میں انسان کو رضا بالقضا کا اعلیٰ سے اعلیٰ سبق سکھایا گیا ہے کیونکہ یہ وہ سورت ہے جس کو مسلمان دن میں پانچ نمازوں میں کئی کئی بار پڑھتا ہے اور راحت میں ہو یا تکلیف میں اس کے منہ سے حمد اور شکر کے کلمات ہی نکلتے ہیں۔

قلب نبوی کی وسعت: اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی بھی کیفیت معلوم ہوتی ہے جس پر اس وحی کا نزول ہوا آپ کے دل میں اس قدر حمدِ الٰہی بھری ہوئی تھی کہ کسی حال میں خدا کی شکایت کا وہم بھی آپ کے دل میں نہ آسکتا تھا۔ صبح اٹھتے ہی تو حمد ،دوپہر کو حمد، سہ پہر کو حمد، غروب آفتاب پر حمد، رات کو سوتے وقت حمد، رات کو اٹھ کر حمد آپ کا سینہ حمدِ الٰہی سے لبریز تھا۔

احمد :اسی حمد کی وجہ سے جو آپ نے سب انبیا سے بڑھ کر کی۔آپ کا نام احمد ہوا جو آپ سے پہلے کسی انسان کا نام نہیں ہوا۔

محمد: اور جب آپ نے سب سے بڑھ کر خالق کی حمد کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی مخلوق سے سب سے بڑھ کر آپ کی حمد کرائی اور اس لئے آپ کا نام محمد ہوا صلی اللہ علیہ وبارک وسلم۔ اسلام کی تعلیم کی وسعت پر یہ دلالت ہے کہ اس کی ابتدا ہی تمام جہانوں کی ربوبیت سے ہوتی ہے نہ اِیک قوم کی۔ وحدت نسل انسانی: اس ایک فقرہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِین میں جہاں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی نسل انسانی کی وحدت بھی بیان کر دی۔ رب العالمین کا لفظ اختیار کرنے میں بھی اشارہ ہے کہ اگر پہلے متفرق طور پر نسل انسانی کی روحانی ربوبیت ہوتی رہی تو اب ان سب کی ربوبیت ایک ہی نبی کے ذریعہ سے ہو گی کیونکہ یہاں ربکم یا رب المسلمین یا اور کوئی ایسا لفظ اختیار نہیں کیا جس سے تفرقہ پیدا ہوتا ہو۔

ضرورت وحی: پھر رب العالمین میں وحی الٰہی کی ضرورت کی طرف بھی صاف اشارہ ہے کیونکہ اسم رب کا تقاضا ہے کہ ہر مخلوق کو اپنے کمال کو پہنچائے مگر انسان کا حقیقی کمال صرف جسم کی پرورش تک محدود نہیں بلکہ وہ اخلاق سے ہے پس جس طرح جسم کے کمال کے لئے عالم جسمانی میں خارجی سامان رب نے پیدا کئے ہیں ضروری ہے کہ روحانی کمال کو حاصل کرنے کے لئے خارجی سامان عالم روحانی میں موجود ہوں یہی وحی الٰہی ہے اسی چھوٹے سے فقرہ میں عظیم الشان سبق بھی ہے کہ استحقاق حمدِ ربوبیت سے پیدا ہوتا ہے۔

مخلوق کی خدمت کا سبق: پس وہی انسان قابل حمد ہو گا جو دوسرے انسانوں کی خدمت گزاری کرے اور وہ بھی صرف اپنے عیال یا خاندان یا قوم کی نہیں بلکہ سب قوموں کی بلکہ انسانوں کو چھوڑ کر دوسری مخلوق کی بھی۔

ربِ اور اَبْ: یہ بھی یاد رکھنے کے قابل بات ہے کہ جہاں دوسرے مذاہب نے خدا تعالیٰ کو اَبْ یا باپ کر کے پکارا ہے۔ قرآن کریم نے دعاؤں میں لفظ رب اختیار کیا ہے کیونکہ رب کا تعلق اپنی مخلوق سے اس سے بہت بڑھ کر ہے جو باپ کا تعلق بیٹے سے ہے۔ دعاؤں میں ربنا کا استعمال: قرآنی دعائیں عموماً رَبَّنَا سے شروع ہوتی ہیں گویا ہر دعا کا مقصد انسانوں کا کمال حقیقی تک پہنچنا ہے کیونکہ رب وہ ہے جو ہر شے کو اس کے کمال تک پہنچاتا ہے مگر اَبْ انسان کو اس کے کمال تک نہیں پہنچاتا پس خدا کو اَبْ کر کے پکارنا بہت ادنیٰ مرتبہ ہے۔

۳۔ مالک اور ملک یعنی بادشاہ میں فرق یہ ہے کہ ملک صرف بعض امور میں متصرف ہوتا ہے مالک اپنی ملک پر پورا تصرف رکھتا ہے کیونکہ حرف کے بڑھنے سے معنی میں قوت بڑھ جاتی ہے، دوسرا ملک لفظ صرف انسانوں کی سیاست سے مخصوص ہے یعنی وہ جو جمہور میں امر و نہی کا تصرف رکھتا ہو جو ایک محدود تصرف ہے ملک الناس کہا جاتا ہے اشیاء کا یا یوم الدین کا ملک نہیں ہو گا مالک ہو گا۔

یوم: سے عموماً مراد وقت ہے جو طلوع آفتاب سے غروب تک ہے لیکن اکثر اس سے مراد زمانہ کی کوئی مدت ہوتی ہے خواہ وہ بہت ہی کم ہو یا بہت ہی زیادہ چنانچہ کل یوم ھو فی شان (الرحمن ۵۵۔۲۹) میں یوم سے مراد ایک آن ہے اور فی یوم کان مقدارہٗ خمسین الف سنۃ (المعارج ۷۰۔۴) میں ایک یوم پچاس ہزار سال کا فرمایا۔

دِین کے اصل معنی جزا ہیں بخاری میں ہے الدین الجزاء فی الخیر والشر یعنی یہاں دین سے مراد نیکی بدی کا بدلہ ہے۔ بطور استعارہ دِین کااستعمال شریعت پر ہوتا ہے گویا شریعت کی تابعداری کا نام دِین ہے۔

پس مالک یوم الدین کے معنی ہوئے جزاو سزا کے وقت میں مالک، جزا و سزا کا ایک عظیم الشان وقت وہ ہے قیامت یا محشر کے نام سے تعبیر کیاجاتاہے۔

جزا و سزا اس عالم میں بھی ہے: مگر ایک رنگ جزا وسزا کا اس عالم میں بھی جاری ہے اور قرآن کریم کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کی جزا و سزا ایک کھلا کھلا رنگ ان نتائج کا ہے جو فی الحقیقت ہر فعل کے ساتھ ساتھ ہر آن یہاں پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں مگر وہ نظر انسانی اوقات مخفی رہتے ہیں۔ بعض وقت بطور نمونہ ظاہر بھی ہوجاتے ہیں۔

مالکیت میں گناہوں کی معافی کی طرف اشارہ: مالک کا لفظ بجائے ملک کے اس لئے اختیار فرمایا کہ ملک محض ایک محدود اختیارات کا حاکم ہے جو فریقین میں انصاف کے لئے مامور ہے وہ کسی مجرم کو چھوڑ نہیں سکتا لیکن مالک کو اختیار ہے جسے چاہے معاف بھی کر دے اس میں کفارہ اور تناسخ کا ابطال ہے کیونکہ ان دونوں کی رو سے خدا گناہ کو معاف نہیں کر سکتا بلکہ سزا دینے کے لئے مجبور ہے یہ عقیدہ کس قدر واقعات ہے ایک نوکر کا آقا یامالک جو حقیقت میں مالک نہیں اس کا گناہ معاف کر سکتا ہے مگر خدا جو مستجمع جمیع صفاتِ کاملہ ہے وہ معاف نہیں کر سکتا اور اگر معافی کی خواہش انسان میں ہے تو خالق میں کیوں نہیں جو صفت خالق میں نہ ہو وہ مخلوق میں نہیں ہوسکتی۔

نَعۡبُدُ : عُبُوۡدِیَّۃِ اظہار تذلل کا نام ہے اور عبادۃ اس سے بلیغ تر ہے یعنی انتہا درجہ کے تذلل اور انکساری کا نام ہے اور اس کا حقدار صرف وہی ہو سکتا ہے جس کی فضیلت انتہا درجہ کو پہنچی ہوئی ہو یعنی اللہ تعالیٰ جس کے سوائے دوسرے کی عبادت جائز نہیں یا عبادت وہ طاعت ہے جس کے ساتھ خضوع یعنی عاجزی ہو پس عبادت اصل میں یہ ہے کہ اپنے آپ کو پوری عاجزی کے ساتھ خداتعالیٰ کی کامل فرمانبرداری میں لگادے۔

عبادت مقصد زندگی ہے: عبادت کو انسان کی زندگی کی غرض فرمایا ہے وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ (الذاریات ۵۱۔ ۵۶) کیونکہ انسان اپنے کمال کو نہیں پا سکتا جب تک کہ اپنے قوی کو اللہ تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری میں نہ لگاے۔ عبادت انسان کی اپنی بہتری کے لئے ہے اللہ تعالیٰ کی ذات غنی ہے اس کو نہ کسی کی عبادت سے فائدہ پہنچتا ہے نہ عدم عبادت سے نقصان۔

نَسۡتَعِیۡنُ:استعانۃ کے معنی ہیں طلب عون یعنی مدد چاہنا۔ عبادت استعانت پر مقدم ہے: جب اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کا ذکر ہوا تو انسان بے اختیار بول اٹھتا ہے کہ ہم اپنی طاقتوں کو ایسی ذات کی کامل فرمانبرداری میں لگاتے ہیں اور اس کے سوائے کسی دوسرے کی عاجزانہ فرمانبرداری اختیار نہیں کر سکتے اور اس کے ساتھ ہی انسانی روح اپنے عجز کا اعتراف کرتی ہوئی پکارتی ہے کہ اے خدا منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے تیری ہی مدد بکار ہے تو ہماری کمزوریوں کی اصلاح فرما اور ہمارا ہاتھ پکڑ کر ہم کو منزلِ مقصود تک پہنچا۔ فطرتِ انسانی میں عبادت کی استعداد موجود ہونے پر ہم اِیَّاکَ نَعۡبُدُ کہتے ہیں اور عملاً محتاج اعانت ہونے پر اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کی خواہش موجزن ہوتی ہے جب تک انسان عبادت نہیں کرتا اپنے قوائے فطری کو کام میں نہیں لگاتا اس وقت تک وہ مدد کا مستحق بھی نہیں ہوتا۔

۵۔ اِہدنا :ہدایۃ: کے معنی ہیں الرشاد والدلالۃ بلطف الی مایوصل الی المطلوب یعنی لطف کے ساتھ لے جانا اور رہنمائی کرنا اس کی طرف جو مطلوب یعنی منزل مقصود تک پہنچا دے۔ ہدایت چار طرح پر ہے: اما راغب نے ہدایت کو چار طرح پر بیان کیا ہے اول فطری ہدایت ہے جو عام ہے اوراللہ تعالیٰ نے ہر شے کو خلق کے ساتھ ہی دے دی ہے اعطیٰ کل شیٔ خلقہ ثم ہدی (طہٰ ۲۰: ۵۰) یافرمایاوالذی قدر فہدیٰ (الاعلیٰ ۳) یہ ہرچیز کی فطرت میں موجود ہے دوسری وہ ہدایت ہے جو انسان کو نبیوں کے ذریعہ سے ملتی ہے یعنی انبیاء کی دعوت الی الحق جعلنا منہم ائمۃ یہدون بامرنا (السجدہ ۲۴:۳۲) انبیاء ایک راستہ دکھا دیتے ہیں انا ہدیناہ السبیل اما شاکراً وما کفورا(الدمر ۷۶:۳) تیسری ہدایت وہ توفیق ہے جواس شخص سے خاص ہے جو ہدایت پا گیا یہ سب انسانوں کے لئے عام ہے جس کے لحاظ سے قرآن شریف کو ہدی للناس فرمایا(البقرہ ۱۸۵:۲) والذین اہتدوا زادہم ہدی(محمد۱۷:۴۷) ومن یومن باللہ یہد قلبہ (التغابن ۱۱:۶۴) چوتھی ہدایت جنت ہے (یعنی منزل مقصود تک پہنچا دینا)جیسے سیہدیہم ویصلح بالہم (محمد ۵:۴۷) یا جیسے یہاں ہدی للمتقین میں جیسا کہ تاج العروس سے شروع میں حوالہ دیاگیاہے۔

المستقیم: وہ راہ ہے جو ایک سیدھے اور ہموار خط پر ہو اور اس سے طریق حق کو تشبیہ دی گئی۔

دعائے فاتحہ کا مقصد: معترض کہتا ہے کہ صراط مستقیم پر چلنے کی دعا کرنے والے کو تا حال گمراہ ثابت کرتی ہے اس نے اپنے الفاظ پر غور نہ کیا یہ دعا کرنے والا تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کو پہچان چکا اِیَّاکَ نَعۡبُدُ کہہ کر اپنے قویٰ کو خدا کی کامل فرمانبرداری میں لگا چکا اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کے ذریعہ اپنی کمزوری کو دور کرنے کی مدد اللہ سے طلب کر چکا: وان اعبدونی ہذا صراط مستقیم (یاسین ۳۶:۶۱) میری عبادت کرو یہ صراط مستقیم ہے پس اِیَّاکَ نَعۡبُدُ کہنے والا صراط مستقیم پر تو ہے اس لئے ان الفاظ میں اس راہ پر قائم رہنے کی دعا مانگتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اسے ہمیشہ اسی راہ پر چلتا رکھے اور راہ کو پا لینے کے بعد اس کا قدم نہ ڈگمگائے اور نہ سست ہو یہاں تک کہ وہ منزل مقصود تک پہنچ جائے جیسا کہ ہدایت کے معنی سے ظاہر ہے اصل مقصد اس دعا کا اس اعلیٰ منزل پر پہنچنا ہے جس کی تشریح آگے آتی ہے اور جس کی طرف ایک طرف رَبِّ الۡعٰلَمِیۡن اور دوسری طرف اِہۡدِنَا میں اشارہ ہے یعنی کمال انسانی کا معراج پس اصل مطلب یہ ہے کہ اے خدا ہمیں سیدھی راہ پر چلاتے رہو یہاں تک کہ ہم اس کمال کو حاصل کر لیں جو انسان کی ترقی کی اصل منزل مقصود ہے۔

مقام عصمت سے اوپر کمال انسانی کا حصول ہے: اس دعا میں انسان کے سامنے وہ بلند سے بلند مقام ہے جس پر وہ پہنچ سکتا ہے اور مذہب تو صرف گناہوں کی معافی کی دعا سکھانے تک رہ گئے۔ اسلام نہ صرف گناہوں سے بچنے، لغزشوں سے محفوظ رہنے اور یوں مقام عصمت یا محفوظیت پر پہنچنے کی دعا سکھاتا ہے بلکہ اس سے بھی بہت آگے کمال انسانی پر پہنچنے کی یہ دعا ہے جس کے برابر کوئی دعا کسی آسمانی کتاب میں نہیں بلکہ خود قرآن شریف کی دعاؤں میں بھی یہ دعا سب سے افضل ہے۔

۶۔ اِنعام کے معنی ہیں انسان کو احسان پہنچانا، غیر ناطق پر یہ لفظ نہیں بولا جاتا مثلاً یہ نہیں کہا جائے گا کہ میں نے اپنے گھوڑے پر انعام کیا۔
منعم علیہم کون ہیں: اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ سے کون مراد ہیں۔ قرآن کریم خود تشریح فرماتا ہے (النساء۶۹) وہ انبیاء اور صدیق اور شہید اور صالح ہیں۔ یہ تفسیر حضرت ابن عباس سے لے کر تمام مفسرین نے قبول کی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اہدنا کی دعا میں گناہوں کی معافی کی التجا ہے۔

اسلام کس مقام پر پہنچاتا ہے: یہاں نہ صرف اس مقام کی دعا ہے کہ انسان سے گناہ ہی سرزد نہ ہو بلکہ اس مقام پر پہنچنے کی دعا ہے جہاں بڑے بڑے برگزیدگان الٰہی پہنچے یعنی بڑی بڑی خدمات کے بجا لانے اور بڑے بڑے کمالات کے حاصل کرنے کا اعلیٰ مقام یا اعلیٰ سے اعلیٰ مقام جس پر کوئی انسان پہنچا ہو۔ پس معلوم ہوا کہ یہ دعا روپیہ، مال، مرتبہ کے ملنے کے لئے نہیں کمالات، معرفت، محبت کے حصول کے لئے ہے۔

انعمت علیہم میں مقام نبوت کی دعا نہیں: یہاں نبی کا لفظ آ جانے سے بعض لوگوں کو یہ ٹھوکر لگی ہے کہ خود مقام نبوت بھی اس دعا کے ذریعہ سے مل سکتا ہے اور گویا ہر مسلمان ہر روز بار بار مقام نبوت کو ہی اس دعا کے ذریعہ سے طلب کرتا ہے یہ ایک اصولی غلطی ہے۔

نبوت موہبت ہے: اس لئے کہ نبوت محض موہبت اور نبوت میں انسان کی جدوجہد اور اس کی سعی کو کوئی دخل نہیں۔ ایک وہ چیزیں ہیں جو موہبت سے ملتی ہیں اور ایک وہ جو انسان کی جدوجہد سے ملتی ہیں: نبوت اول میں سے ہے جیسا کہ اَلرَّحۡمٰنُ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰن سے بھی ظاہر ہے دنیا میں کوئی شخص کوشش کرے اور دعائیں مانگ مانگ کر اور خدا سے التجائیں کر کے نہ پہلے نبی بنا نہ آئندہ بنے گا بلکہ خود اللہ تعالیٰ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ کے ماتحت جب چاہتا کسی کو نبوت و رسالت کے منصب پر کھڑا کر دیتا تھا یہاں تک کہ اپنی کامل ہدایت کی راہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کھول کر تمام آنے والی نسلوں کے لئے مقام نبوت و رسالت کو ایک برگزیدہ انسان کے نام کے ساتھ مخصوص کر دیا اور اس کو النبی اور الرسول کے نام سے پکار کر بتا دیا کہ اب دوسرا نبی اور رسول نہیں ہو گا کیونکہ اگر دوسرا نبی بھی آ جائے تو یہ الفاظ مشتبہ ہو جائیں پس مقام نبوت کے لئے دعا کرنا ایک بے معنی فقرہ ہے اور اسی شخص کے منہ سے نکل سکتا ہے جو اصول دین سے ناواقف ہے۔

کن کمالات کی دعا ہے: ایسے بھی لوگ ہیں جن کا خیال ہے کہ اس دعا میں حصول بادشاہت کی دعا ہے کیونکہ بادشاہت کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام قرار دیا ہے (المائدہ ۵:۲۰) اور بعض نے اسے اور بھی وسیع کر کے دنیا کے تمام امور میں صراط مستقیم کی دعا قرار دیا ہے ادنیٰ تدبر سے کام لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ سب باتیں کے اصل مقصد سے دور ہیں بیشک بادشاہت ایک انعام ہے مال و دولت بھی ایک انعام ہے مگر یہ وہ انعامات ہیں جن میں نیک و بد

شرک ہیں بادشاہت ایک انعام ہے مگر ہر ایک بادشاہ منعم علیہ نہیں، دولت ایک انعام ہے مگر ہر دولت مند منعم علیہ نہیں اور یہاں منعم علیہم کی راہوں کا ذکر ہے نہ خاص خاص انعامات کا مطالبہ پھر منعم علیہم کے مقابلہ پر مغضوب علیہم اور ضالین ہیں جو دولت اور بادشاہت سے محروم نہیں اور نہ دنیا کے کاموں کو سرانجام دینے سے محروم ہیں بلکہ نیکی سے محروم ہیں، اخلاق فاضلہ سے محروم ہیں دعا صرف اس قدر ہے کہ جن راہوں پر نیک بندے چلتے رہے انہی راہوں پر چلنے کی ہمیں بھی توفیق دے بالفاظ دیگر یہ کہ ہمیں انبیا، شہدا، صلحا کے نقش قدم پر چلا اس دعا کے مقابل پر امور دنیا کی خواہشات ایک نہایت پست مقام ہے۔

اگر دعا حصول نبوت ہے تو امت کی محرومی لازم آتی ہے: اگر یہ دعا نبوت کے حاصل کرنے کے لئے ہوتی تو کم از کم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی مقام نبوت پر کھڑا ہونے سے پہلے سکھائی جاتی مگر قرآن کریم میں اس کا موجود ہونا بتاتا ہے کہ مقام نبوت ملنے کے بعد سکھائی گئی نبوت عطا فرما کر اس دعا کا سکھانا صاف بتاتا ہے کہ حصول نبوت کے لئے یہ دعا نہیں اور اگر حصول نبوت کی دعا مانا جائے تو ماننا پڑے گا کہ تیرہ سو سال میں کسی مسلمان کی دعا قبول نہ ہوئی حالانکہ مقربین اور محبوبین الٰہی تو ہزاروں کی تعداد میں ہو گزرے۔ خدا خود دعا سکھائے اس کی غرض یہ ہو کہ دعا مانگنے والے کو نبوت ملے، دعا کرنے والی امت کو خیر امۃ کہا جائے اور پھر تیرہ سو سال سب کے سب محروم رہیں حتیٰ کہ وہ بھی جن کے متعلق صریح سند ہے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے یہ نہیں ہو سکتا۔ (جاری ہے)

عالمگیر (ذیلی) مرکز

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

پتہ برائے خط و کتابت

15 Stanley Ave, Wembley, UK HA0 4JQ15

www.virtualmosque.co.uk

ای میل: info@aaiil.uk

حضرت مرزا غلام احمد صاحب

اور

عالمگیر جماعت احمدیہ لاہور کے عقائد

۱۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ بالفاظ بانی سلسلہ احمدیہ: ”اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا نیا ہو یا پرانا“، ”جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اُسے بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔“، ”میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی۔“

۳۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری اور کامل کتاب ہے جس کا کوئی حکم منسوخ نہیں نہ قیامت تک منسوخ ہو گا۔

۴۔ بمطابق فرمان نبوی حضرت محمد ﷺ کے بعد مجددین آئیں گے۔ اس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو نبی نہ ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ ان سے کلام کرے گا۔ رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء۔

۵۔ ہم تمام صحابہ کرام اور تمام آئمہ دین کی عزت کرتے ہیں خواہ وہ اہل سنت کے مسلمہ بزرگ ہوں یا اہل تشیع کے اور کسی صحابی یا امام، محدث یا مجدد کی تحقیر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

۶۔ ہر اس شخص کو جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ کا اقرار کرتا ہے اصولاً مسلمان ہے۔ خواہ اُس کا تعلق کسی بھی فرقہ سے ہو۔

۷۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؒ کا دعویٰ مجدد و مسیح موعود اور مہدی ہونے کا تھا نبی ہونے کا ہرگز نہیں۔ ان کے اپنے الفاظ: ”اور ان لوگوں نے مجھ پر افترا کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔“

ہمیں کسی دُنیاوی پارلیمنٹ سے مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ نہیں چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ہم مسلمان ہوں یہ کافی ہے۔